قبل مسیح عہد میں عورت کی سماجی حیثیت۔ تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر ساجد جاوید** سمیرا عمر*

Abstract

Social status of women is a basic theme in feminism. This article explores the social status of women retrospectively of two ancient societies, Babylonian and Indian, using comparative methodology. The first known written law is of Hammurabi's, and in Indian subcontinent Kautilya's classic text Arthashastra is pioneer in written law books. By analyzing the punishments suggested for women against different crimes, it is argued that both laws, in spite of belonging to different societies and epochs, have similarities about the social position of women. And Hammurabi's law is more emancipatory than Kautilya's although it was written a millennium earlier than that.

کسی بھی معاشرے میں افراد کے روابط و سلوک، ان کی عادات واطوار، بود و باش، معیار حسن و قبح اور استنادِ فن اس معاشرے کی سماجی اقدار کہلاتی ہیں۔ یہ اقدار سماج میں صدیوں کے تال میل سے وجود میں آتی ہیں اور افرادِ معاشرہ کے دل ودماغ میں جاگزیں ہو جاتی ہیں۔ ان اقدار پر کھلی تنقید کرنے والے یا ان سے منھ موڑنے والے خارج از قبیلہ قرار دے دیئے جاتے ہیں یا ان سے قطع تعلق کر لیا جاتا ہے۔ یہ قدریں بقائے سماج کی ضامن ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے کی نوعیت اور تقاضوں کی عکاس بھی ہوتی ہیں۔ ماہرینِ عمرانیات ان اقدار کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ مادری سماج کی اقدار

۲۔ پدری سماج کی اقدار

ایسا سماج جس میں عورت کی حاکمیت تسلیم شدہ ہو، عورت کو مرد کی نسبت بلند مقام و مرتبہ حاصل ہو، گھر، خاندان اور قبیلے کے تمام امور اس کے حسب منشا سرانجام پاتے ہوں۔ حسب و نسب عورت کے نام سے چلتا ہو تو ایسا

---

* پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر/ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

سماج مادری(Maternal) کہلاتا ہے۔ عورت میں چوں کہ تخلیقی قوت موجود ہوتی ہے۔ اولاد نیک ہو یا بد ،خوبصورت یا ہو بد صورت، وہ اس پر یکساں ممتا کا جذبہ لٹاتی ہے؛اس کی پرورش و نگہداشت کرتی ہے؛ لباس و خوراک، آرام و سکون کے لیے فکر مند ہونے کے ساتھ بیماری میں اس کی دیکھ بھال کرتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سماج میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جانے والی اقدار کی تربیت شروع کر دیتی ہے۔ اسی لیے مادری سماج کی اقدار بچوں سے پیار، بیماروں کی دیکھ بھال، مظلوموں سے ہم دردی، محتاجوں کی کفالت، مسافروں کی خاطر تواضع اور ایذار سانی و شدت پسندی سے گریز وغیرہ ہیں۔

اس کے مقابلے میں پدری (Paternal) سماج کی اقدار، تشدد، سخت گیری اور لوٹ مار پر مبنی ہوتی ہیں۔ اس سماج میں حاکم و محکوم کا سخت گیر رشتہ وجود میں آتا ہے اور ذاتی ملکیت کا قانون فروغ پاتا ہے۔

ماہرینِ آثاریات کی شہادتیں یہ بتاتی ہیں کہ ما قبل تاریخ کے ہجری دور میں عورتیں اعلیٰ مرتبے پر فائز تھیں۔ یہاں عورت مقدس دیوی کے روپ میں ملتی ہے جس کا احترام سب پر واجب ہوتا۔ ماہر آثاریات ایک نو ہجری آبادی کتل ہویوک(Catal Huyuk)کا حوالہ دیتے ہیں کہ:

> "اس آبادی کے گھروں میں پائے جانے والے بڑے مدفنوں میں صرف عورتیں دفن ہیں اور متعدد عبادت گاہوں کی دیواروں پر موجود تصاویر اور آرائشوں میں عورتوں کو نمایاں طور پر دکھایا گیا ہے۔ مزید برآں کتل ہویوک ہی اس علاقے کی واحد قدیم ثقافت نہیں جو عورتوں کے اعلیٰ منصب اور ممکنہ طور پر مراعت یافتہ حیثیت کی شہادت دیتی ہے۔"(۱)

ہجری دور کا انسان چوں کہ اپنی خوراک پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تھا اس لیے جنگلی پھل پھول جڑی بوٹیوں اور گھاس پات کے علاوہ شکار کردہ جانوروں پر گزر اوقات کیا کرتا تھا۔ پورا قبیلہ مل کر شکار کے لیے جاتا تھا اور ایک وحدت تصور ہوتا تھا۔ پنچائتی طرز معاشرت تھی البتہ عورت کو یہ فضیلت حاصل تھی کہ وہ شکار کرنے اور ثمر اندوزی کے ساتھ ساتھ تولیدی صلاحیت کی حامل تھی۔ نوزائیدہ بچے کی رضاعت، پرورش، قبیلے کے ناتواں و بوڑھے افراد اور بیماروں کی تیمارداری کا کام بھی اسی کے سپرد تھا۔ علاوہ ازیں شکار شدہ جانور کو صاف کرنے، پکانے اور حصہ وار افراد خانہ میں تقسیم کرنے کے بعد اس کی کھال کو خشک کر کے پوشاک بنانے کا کام بھی عورت سرانجام دیا کرتی تھی۔ جب کبھی شکاری زیادہ تعداد میں مویشی پکڑ لاتے تو انھیں پالنے کا کام بھی عورت نے ہی سنبھالا۔ یوں گلہ بانی، زراعت،

ملبوس سازی اور طباخی ایسے فنون ہیں جو خاص عورت کی ایجاد ہیں۔

ہجری دور کا انسان خانہ بدوش تھا۔ مگر زراعت کی ایجاد کے بعد انسان نے خانہ بدوشی ترک کر کے بستیاں بسائیں۔ مختلف گاؤں وجود میں آئے جو بعد ازاں شہری ریاستوں میں تبدیل ہو گئے اور تہذیب و تمدن کا آغاز ہو گیا۔ یہیں سے عورت محکومیت شروع ہوئی اور مادری سماج روبہ زوال ہوا اس کے مقابلے میں پدری سماج بتدریج ابھرا اور حاوی ہوتا گیا۔ اس تبدیلی کا آغاز عورتوں کے لیے خوش کن نہ تھا:

"معاشروں میں عورتوں کے اغوا کا سبب بڑھتی ہوئی آبادی اور افرادی قوت کی فراہمی تھی کیوں کہ عورتوں کی جنسیت اور تولیدی صلاحیت ہی وہ پہلی ملکیت تھی جس کے لیے قبیلوں میں مقابلہ ہوا نتیجے کے طور پر مردانہ غلبے کی حامی جنگجو ثقافتوں کا ظہور ہوا۔"**(۲)**

جنگی مسابقت اور ملکیت کے قانون نے معاشرے میں طبقاتی تقسیم کو جنم دیا۔ شہری معاشرے کی پیچیدگی اور مہارت کا اختصاص، تاجروں، زرعی مزدوروں اور دستکاروں کی بڑھتی ہوئی قوت نے پیشہ ورانہ طبقوں سے عورت کے وجود کو نکال باہر کیا۔ یوں معاشی طور پر عورت محکومیت کی سطح پر آگئی۔

جوں ہی مختلف شہری ریاستوں نے غلبہ حاصل کیا تو پدری سماج سے متعلق قوانین میں ردوبدل ہوئی۔ جس قانون کی افادیت ختم ہوتی اس کو منسوخ کرنے کے بعد نیا قانون وضع کر دیا جاتا جس کی بنیاد سماجی اقدار اور تجربے پر ہوتی تھی۔ انھی رواجوں اور تجربوں کو منظم کرنے کا نام قانون ہے۔ دنیا کا پہلا معلوم اور تسلیم شدہ قانون بابل و عراق کے بادشاہ حمورابی کا ہے جو تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح سے تعلق رکھتا ہے۔ حمورابی نے اس ضابطہ قانون کو پتھر کے کھمبے پر کندا کروا کر سارہ مندر کے احاطے میں نسب کروایا۔ اس کی کل دفعات ۲۸۶ ہیں۔ اس ضابطہ قانون کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس دور کی معاشرتی زندگی مختلف طبقوں میں منقسم تھی۔ وہاں مرد کی حاکمیت اٹل تھی۔

"عکاد و سومیر کے باشندے چار طبقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اشرافیہ (اویلو) مساکین (مشکینو) غلام (وردو) اور عام شہری مثلاً تاجر، کاریگر، زمیندار، کاشتکار، باغباں، مزدور، گڈریئے اور ملاح وغیرہ۔"**(۳)**

معاشرہ چوں کہ طبقات زدہ تھا لہذا سزا و جزا کا تعین بھی اشرافیہ اور غلاموں کو مد نظر رکھ کر کیا جاتا۔ اسی طرح عورت جو پہلے ہی محکومیت کی سطح پر زندگی گزارنے پر مجبور تھی، اس کے لیے حالات مزید دگرگوں تھے۔ مرد کی ملکیت ہونے کے سبب اس کی حیثیت کا تعین پیشے اور پیداوار کے بجائے۔ محافظ مرد سے رشتے یا ان کی صنفی سرگرمی کی بنا پر ہوتا تھا۔ عورتوں کے لیے باعزت و باعصمت ہونا۔ بدنام و بدچلن ہونا ایک بنیادی پیمانہ تھا جس کی بنیاد پر سزا و جزا کا

تعین کیا جاتا تھا۔

حمورابی سماج میں عورت کے تین بنیادی درجے تھے۔اشرافیہ /اونچے طبقے کی عورتیں اعلیٰ مقام، مراعات اور قانونی حقوق رکھتیں تھیں تاہم ان کی تمام تر قوت کا انحصار اس مرد سے تعلق کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی وہ دست نگر ہوتی تھیں۔اعلیٰ طبقے کی خواتین، اعلیٰ طبقے کے مردوں سے شادی کرتی تھیں تا کہ اشرافیہ کی نسل جاری رہ سکے۔شادیوں کی اس شکل میں عورت کا تبادلہ نہیں ہوتا بلکہ طاقت واختیار کا تبادلہ ہوتا۔

اعلیٰ طبقے کی خواتین کو ان کے والد بچپن میں ہی دیوتاؤں سے منسوب کر دیتے تھے یوں وہ دیوتاؤں کی لونڈیاں یا داسیاں بن کر زندگی گزارتی تھیں۔یہ خواتین معاشرے کی معاشی و قانونی زندگی میں اہم کردار ادا کرتی تھیں، مثلاً کاروبار میں حصہ لیتیں، مکان کرائے پر اٹھانا، قرضے دینا، غلاموں اور لونڈیوں کی تجارت کرنا، مختلف معاہدے کرنا اور اپنی وراثتی زمین (ایک بیٹے کے حصے کے برابر ملکیت ملتی تھی) پر کھیتی باڑی کروانا مگر ایسی عورتیں شادی نہیں کر سکتی تھیں اور نہ ہی خانقاہ مندر سے باہر نکل سکتی تھیں۔باہر نکل کر ممنوعہ کاروبار کرنے پر سخت سزائیں تھیں:

> "اگر کوئی پجارن یا راہبہ خانقاہ میں رہنے کے بجائے، شراب کی دوکان کھول لے یا
> شراب نوشی کی عرض سے کسی شراب کی دوکان میں داخل ہو تو اس عورت کو زندہ جلا دیا
> جائے۔"(۴)

متوسط طبقے کی خواتین کسب معاش کے لیے جدوجہد کرتی تھیں: مثلاً ظروف سازی، سوت کاتنا، کپڑا بننا، زرعی مزدوری کرنا، بال سنوارنا، کھانا پکانا اور شراب کشید کرنے کا کام۔عام طبقے کی عورت بھی ملکیتی حقوق رکھتی تھی وہ اپنی جائیداد کی خرید و فروخت کرنے اور لگان پر دینے کا اختیار رکھتی تھی۔لونڈیوں اور غلاموں کی تجارت کر سکتی تھی اور خاص طور پر لونڈیوں سے آمدنی کے حصول کے لیے پیشہ کرواتی تھی مگر ایسی عورتیں اور ان کی اولاد مقروض ہونے کی صورت میں رہن رکھی جا سکتی تھیں۔

> "اگر کوئی شخص قرض لے اور اپنی بیوی اپنے بیٹے یا بیٹی کو چاندی کے عوض یا خدمت
> کرنے کے لیے قرض خواہ کے حوالے کر دے تو وہ تین سال تک اپنے آقا کے گھر میں
> خدمت کریں گے اور چوتھے سال اپنی پہلی حالت پر واپس آجائیں گے۔"(۵)

ایسی عورتیں جو غلامی کی زندگی بسر کر رہی تھیں ان کے لیے حمورابی کے قوانین انتہائی سخت تھے، ان کی سزا آزاد عورت کی نسبت دوگنا ہوتی۔

قانون حمورابی میں دو طرح کی سزائیں رائج تھیں۔ مالی سزا، چاندی کے مقررہ اوزان کے مطابق جرمانہ وصول کیا جاتا تھا کیوں کہ سکے رائج نہیں تھے۔ جسمانی سزامیں ہاتھ، ناک، زبان اور عورت کی چھاتی کاٹنے کی سزائیں مروج تھیں۔ جرم کی سنگینی کو مد نظر رکھتے ہوئے موت کی سزا بھی دی جاتی تھی مثلاً آگ میں جلانا، ہاتھ پاؤں باندھ کر پانی میں غرق کرنا اور قتل کرنا وغیرہ۔

لونڈیاں چوں کہ آزاد عورت کی مانند جرمانہ دینے کی اہل نہیں ہوتی تھیں اس لیے انھیں عام طور پر سنگین سزائیں دی جاتیں اور نا قابل بیان ظلم سہتی تھیں۔ انھیں رہن بھی رکھا جاتا اور وہ قابل فروخت شے بھی تھیں۔

"اگر مقروض کسی غلام یا لونڈی کی خدمات منتقل کر دے اور قرض خواہ انھیں کہیں باہر بھیج دے اور چاندی کے عوض میں بیچ دے تو یہ قابل مواخذہ نہیں۔"(۶)

وادی سندھ کی تہذیب بھی دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہاں بھی ہجری دور میں عورت کی حاکمیت کا پتہ "دیوی ماتا" کی مورتیوں کی موجودگی سے ملتا ہے۔ ہڑپہ اور موہنجوڈرو کی شہری ریاستیں مادری سماج پر مبنی تھیں۔ چوں کہ عورت افزائش نسل کی محرک وعلامت مانی جاتی تھی، اسی لیے تمام تر مذہبی عبادات کی محور و مرکز تھی۔ ہڑپہ اور موہنجوڈرو کی شہری ریاستیں پرامن تھیں۔ یہاں دولت کی ارزانی نہ ہونے کی وجہ سے قانون ملکیت نہیں تھا اور نہ ہی قابض ہونے کے لیے جنگیں لڑی جاتی تھیں۔ پیداوار چوں کہ کم مقدار میں تھی اس لیے تقسیم کار کے اصولوں پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ اس کے لیے برداری کا وسیع نظام موجود تھا اگرچہ پورا سماج مختلف طبقوں میں بٹا ہوا تھا مگر ان میں درجاتی تفریق نہ ہونے کے برابر تھی اور مجموعی طور پر سماج جمود کا شکار تھا۔

وادیٔ سندھ کے اس جمود زدہ معاشرے میں تبدیلی اس وقت آئی جب آریاؤں نے آکر یہاں تسلط جمایا۔ آریا خانہ بدوش تھے اس لیے شہری ریاستیں مسمار ہوئیں اور مادری کے بجائے پدری سماج کو فروغ حاصل ہوا۔ آریائی دور میں سماج تین طبقوں میں بٹا ہوا تھا: چھتری جو قبیلے کے سردار جنگجو تھے، براہمن مذہبی رسوم ادا کرنے والے ویش بڑھئی، مستری، سنار، کمہار، جولاہے اور کسان وغیرہ۔ اس سماج میں رشتے داری ذات برادری یا پیشے کے اعتبار سے نہیں ہوتی تھی تینوں طبقوں میں آزادنہ بیاہ ہو سکتا تھا اور ہر شخص کو اختیار تھا کہ اپنی مرضی کا پیشہ اختیار کرلے۔

آریا مظاہر قدرت کی عبادت کرتے تھے ان کے یہاں سب سے بڑے دیوتا مرد تھے۔ مادرِ ارض کی پوجا کا رواج تھا ہی نہیں اس لیے عورت بھی محکوم سمجھی جاتی تھی البتہ وہ اس کی تخلیقی قوت کے معتقد تھے۔ آریاؤں نے جب سفری زندگی ترک کر کے حضری زندگی کو اپنایا تو بقاءِ نسل اور افزائشِ فصل کی خاطر مقامی عقائد کو قبول کیا۔ یہی نہیں

بلکہ (شکتی اور پرش) مادر ارض اور شیوا کی پوجا بھی شروع کر دی۔ آریاؤں نے جو شہر بسائے ان میں سب سے بڑا مرکز ٹیکسلا تھا جس پر ملک گیر سلطنت راجا چندر گپت موریہ نے اپنے برہمن وزیر کوٹلیہ چانکیہ کی مدد سے قائم کی۔ کوٹلیہ نے ارتھ شاستر کے عنوان سے بادشاہوں کے لیے دستور العمل مرتب کیا۔ اس آفاقی کتاب میں کوٹلیہ نے قدیم ہندوستانی تمدن کے قریب قریب ہر پہلو کو اپنی تحریر کا موضوع بنایا ہے۔ علوم و فنون، زراعت، معیشت، سیاست، صنعت و حرفت، قوانین، رسوم و رواج، توہمات، ازدواجیات، فوجی مہمات، ادویات، سیاسی و غیر سیاسی معاہدات اور ریاست کے استحکام سمیت ہر وہ موضوع جو زندگی سے جڑا ہوا ہے، کوٹلیہ کے فکری دامن میں سما گیا ہے۔

کوٹلیہ نے ارتھ شاستر نظام حکومت کے جو طریقے بیان کیے وہ ایرانیوں کے ہنحامنشی نظام حکومت سے ماخوذ تھے چنانچہ چندر گپت موریہ نے اپنی سلطنت کو ایرانیوں کی ہنحامنشی طرزِ حکومت کے خطوط پر منظم کیا۔ اور ۲۴ سال تک بڑے طمطراق سے حکومت کی یہاں تک کہ قحط اور وباؤں کے ہاتھوں اس عظیم الشان سلطنت کا خاتمہ ہوا۔

ارتھ شاستر میں جو قوانین بیان ہوئے وہ چار ذاتوں کے لیے تھے۔ برہمن، کھشتری، ویش تو آریاؤں کے عہد میں تھے مگر شودر وہ مقامی لوگ تھے جن پر آریاؤں نے اپنا تسلط جمایا تھا اور طبقاتی تقسیم کو جنم دیا۔ یہاں بھی سزا کا قانون تین طریقوں سے رائج تھا۔

۱۔ مالی سزا/ جرمانے کی صورت میں رائج الوقت قیمت جرمانہ پن کی صورت میں ادا کیا جاتا۔

۲۔ جسمانی سزا/ ہاتھ یا جسم کا کوئی عضو کاٹنا یا لوہے سے پیٹنا

۳۔ انتہائی سنگین جرم کے نتیجے میں موت کی سزا دی جاتی تھی یا ذات برادری سے باہر کر دیا جاتا تھا۔ اکثر جسمانی سزاؤں کا بدل بھاری جرمانا ہوتا جنھیں اعلیٰ طبقے ادا کرنے کے بعد سزا سے بری ہو جاتے تھے۔

ارتھ شاستر آریائی دور کا ضابطۂ قانون تھا جہاں عورت مرد کی دست نگر تھی۔ سماج میں اس کا رتبہ مرد کی نسبت آدھا تصور کیا جاتا تھا۔ اس کی سزا یا جرمانہ مردوں کی نسبت نصف ادا کرنے کا حکم تھا۔ علاوہ ازیں اعلیٰ و ادنیٰ ذات کی عورتوں کے جرمانے میں بھی تفریق موجود تھی۔ اعلیٰ ذات کی عورت کا جرمانہ کم تھا جب کہ ادنیٰ ذات کی عورت کو زیادہ جرمانہ ادا کرنے کے بعد ہی چھٹکارہ مل پاتا۔

آریاؤں کے یہاں لڑکی کی شادی کم عمری میں ہی کر دی جاتی تھی اور بیاہ کے چار طریقے موروثی روایات کے ذیل میں آتے تھے: ہراہم بیاہ، پراجاہت بیاہ، آرش بیاہ اور دیو بیاہ۔ ان شادیوں میں لڑکی کا باپ دولہے سے شلک یا نقدی وصول کرتا تھا اور یہ شادی کے موقع پر دولہا دو ہزار پن مالیت کا اثاثہ بیوی کے لیے مقرر کرتا جسے استری دھن کہتے

ہیں۔ یہ خاص عورت کی ملکیت شمار ہوتی تھی۔ اسے وہ اپنی مرضی سے خرچ کرنے کا اختیار رکھتی تھی اور اپنی مرضی سے بیٹے بہو کو دینے یا شوہر کو لوٹانے کا اختیار رکھتی تھی۔ مرد پر عورت کے نان و نفقے کی ذمہ داری اس کی حیثیت کے مطابق تھی اور اس میں وقت کا تعین بھی شادی کے وقت کر دیا جاتا تھا۔ آریائی سماج میں شادی کرنے کا سب سے بڑا مقصد اولاد نرینہ کا حصول تھا۔ کوٹلیہ خود اس کا اقرار کرتا ہے۔

"بیویاں اولادِ نرینہ پیدا کرنے کے لیے ہوتی ہیں"(۷)

بقائے نسل کے لیے مرد کو کئی بیویاں رکھنے کی اجازت تھی۔ اس کے لیے چند قوانین مرتب تھے کہ عورت کے بانجھ ہونے کی صورت میں مرد کو آٹھ سال توقف کرنا پڑتا۔ مردہ بچے پیدا ہونے کی صورت میں دس سال اور لڑکیوں کی پیدائش کی صورت میں بارہ سال کا توقف لازم تھا۔ اگر مرد اس قانون کی خلاف ورزی کرتا تو اسے اپنی بیوی کو معقول رقم تلافی اور سرکاری جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا جو اس کے لیے بے حد آسان تھا۔ بیوی کو تلافی کی رقم تھما کر باقی ماندہ زندگی گزارنے کے لیے دی جائے اور آزادی حاصل کر لی جائے کہ جتنی چاہے شادیاں کرتا پھرے۔

ارتھ شاستر کے قانون ازدواجیات کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ شادی شدہ عورتیں جو ایک ہی مرد سے رشتے میں جڑی ہوتی ان میں بھی تفریق اور درجہ بندی موجود تھی۔ پہلے درجے پر وہ بیوی شمار ہوتی جو صحیح النسل پہلی بیوی ہو یا جس نے لڑکے کو پیدا کیا ہو۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر ایک وقت میں تمام بیویاں حائضہ ہوں تو شوہر کے لیے حکم ہے کہ وہ "اس عورت کے ساتھ سوئے گا جس سے پہلے شادی یا جس سے لڑکا پیدا ہوا ہو۔"(۸)

دوسرے درجے پر وہ عورتیں تھیں جنھوں نے محض بیٹیاں پیدا کی ہوں یعنی وہ صاحب اولاد تو ہیں مگر چوں کہ اولاد نرینہ پیدا کرنے کی اہل نہیں لہذا وہ سوتن کے لڑکا پیدا کرنے کے بعد کم تر سطح پر آ گئیں۔ تیسرے درجے پر بانجھ، مردہ بچے پیدا کرنے والی عورتیں اور کبیر سن خواتین شامل ہیں۔ ان تینوں درجوں کی خواتین کی مرضی کے بغیر شوہر ان سے اختلاط نہیں کر سکتا تھا۔ ''کوئی مرد کسی عورت سے اس کی مرضی کے بغیر مباشرت نہیں کرے گا۔'' چوتھے درجے پر وہ عورتیں تھیں جو کوڑھ کے مرض یا پاگل پن کا شکار تھیں۔ ایسی عورتیں کسمپرسی کی زندگی بسر کرتی تھیں اگر شوہر کو ان سے اختلاط کی خواہش نہ ہوتی تو مرد پر نہ تو کسی قسم کا جرمانہ عائد تھا اور نہ ہی باز پرس ہوتی تھی۔

آریائی سماج میں طلاق کا تصور نہیں تھا۔ مورثی روایتی بیاہ جو چار طریقوں سے ہوتے ہیں ان کے مطابق شرف النسل میاں بیوی کی علیحدگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ " صحیح النسل اور شریف میاں یا بیوی کو علیحدہ نہیں کیا جا

سکتا۔"(۹) البتہ علیحدگی صرف بد چلنی یا عیب کی صورت میں ہو سکتی تھی اور اس ضمن میں عورت کو یہ اختیار حاصل تھا کہ اگر اس کا شوہر بد چلن، راجا کا باغی، ذات سے باہر کیا گیا ہو، عورت پر تشدد کرتا ہو یا جان سے مارنے کا ارادہ رکھتا ہو قوت مردمی سے عاری ہو یا مدت سے پردیس سے واپس نہ آیا ہو تو اس کی علیحدگی کا حق ہے۔ وہ مدت انتظار کے بعد دوسری شادی کر سکتی ہے۔ مگر اس کے لیے بھی کڑی شرائط تھیں۔ اول یہ کہ شوہر کا بڑا بھائی ہو، اگر بڑا نہ ہو تو جو عمر میں اس کے قریب ہو، اگر شوہر کا کوئی بھائی نہ ہو تو اس کی گوت کا آدمی ہو، وہ بھی نہ ہو تو قریب ترین رشتہ دار ہو۔ اگر ان کے علاوہ عورت کسی اور مرد سے شادی کرے تو عورت پر فرار اور مرد پر اغواکاری کا جرم عائد ہو گا اور دونوں کو کڑی سزا دی جائے گی۔

آریائی سماج میں باعصمت و پاکدامن بیوہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس کے لیے سماج کی طرف سے یہ گنجائش موجود تھی کہ وہ اپنا اثاثہ جو اس کے متوفی شوہر یا سسر نے دیا ہوا سے وصول کر سکتی ہے بشرطیکہ کہ وہ بنا دوسری شادی کیے پاکدامنی کی زندگی گزار دے۔ لیکن اگر عورت دوسری شادی کا ارادہ رکھتی ہے تو شوہر کے بعد اس کے سسر کی ملکیت میں آجانے کے باعث وہ اس کی مرضی و اختیار سے شادی کرنے کی پابند ہو گی۔ اگر سسر کے منتخب کردہ مرد سے شادی کی تو وہ اپنا اثاثہ وصول کر پائے گی لیکن اگر اپنی مرضی کے مرد کا انتخاب کرے تو تمام اثاثے سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ ارتھ شاستر میں بیوہ کو ستی کرنے کے بارے میں کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ستی یا خود سوزی کی رسم سماج میں بعد میں رائج ہوئی ہو گی۔ اس دور میں عورت کے لیے دو ہی راستے تھے یا شادی کرے یا پاکدامنی کی زندگی سسر کے گھر میں گزار دے۔ بیوہ کے ستی ہو جانے کا ذکر البیرونی کی کتاب الہند میں کچھ اس طرح ملتا ہے۔

> "اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو وہ دوسرا بیاہ نہیں کر سکتی۔ اسے دو صورتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ یا تو زندگی بھر بیوہ رہے یا خود سوزی کر لے اور خود سوزی یعنی ستی ہو جانے کو بہتر تصور کیا جاتا ہے۔ راجاؤں کی بیویوں کو جلا دیا جاتا ہے وہ خود جلنا چاہیں یا نہ چاہیں یہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کر سکیں جس سے ان کے نامور شوہر کے نام کو بٹہ لگے۔"(۱۰)

آریائی سماج میں شادی شدہ عورت مرد کے حکم کی پابند تھی۔ اسے اپنے شوہر کی مرضی کے بغیر گھر سے ایک قدم باہر نکالنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ اگر وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ کسی مذہبی سفر پر شوہر کی اجازت کے بغیر چلی جائیں تو انھیں ان کا بھی جرمانہ ادا کرنا ہو گا۔ شادی شدہ عورت کلی طور پر شوہر کے گھر میں مقید تھی اور اسی کے

ساتھ کہیں آنے جانے کی مجاز تھی۔ شوہر کو بنا بتائے یا اس کی ممانعت کے باوجود وہ گھر سے باہر نکلتی تو جس قدر وہ گھر سے دور ہوتی اسی قدر اس پر جرمانے کی قیمت بڑھتی چلی جاتی۔ علاوہ ازیں وہ کسی اور مرد کی بیوی ہو یا چیز، خواہ ہمسایہ کی ہو یا رشتے دار کی شوہر کی غیر موجودگی میں گھر پر پناہ دینے کا اختیار نہیں رکھتی اگر ایسا کرتی تو جرمانہ عائد ہو جاتا۔ البتہ کسی خطرے، مصیبت یا نقصان، موت یا زچگی کی صورت میں وہ گھر سے باہر جا سکتی تھی ایسی ناگہانی صورت میں پناہ نہ دینے والے مجرم تصور ہوتے اور سزا کے مستحق ہوتے۔

آریائی سماج میں بالغ عورت باپ، شوہر، بھائی یا بیٹے کی دست نگر ہوتی تھی اس لیے گھر میں مقید رہتی تھی۔ شراب اس کے لیے ممنوع تھی، تفریح و تماشے کی اجازت نہ تھی؛ شوخ و چنچل پن، نازیبا حرکات میں شمار ہوتا اور اس پر سزائیں دی جاتیں۔ عورت و مرد کا جنسی ملاپ کی غرض سے اشارے کنائے کرنا بھی ممنوع تھا۔

"کوئی عورت اپنے بال بکھرائے، یا کمر بند یا دانت یا ناخن دکھلائے تو اس پر ابتدائی درجے کا جرمانہ"(۱۱)

لیکن اگر کوئی عورت کسی مشتبہ مقام پر غیر مرد کے ساتھ پکڑی جاتی تو گاؤں کے بیچ میں اسے پانچ کوڑے (نچلی ذات کے مرد چنڈال) سے لگوائے جاتے۔ جسمانی سزا کے بدلے وہ جرمانہ ادا کر کے جان چھڑا سکتی تھی۔ ایسی عورتیں جو شوہر کا گھر اور گاؤں چھوڑ کر فرار ہو جاتیں اثاثے، زیورات اور نقدی سے محروم کر دی جاتی تھیں۔ زنا اور اغلام بازی دونوں اس سماج میں ممنوع تھے قوانین کی موجودگی اور سزائیں اس بات کی شاہد ہیں کہ سزا عمر اور حیثیت کے مطابق دی جاتی تھی۔ ذات پات کی واضح تفریق ان سزاؤں میں موجود تھی۔ ہم پلہ عورت، نابالغ لڑکی، رنڈی کی بیٹی یا لونڈی سے عصمت دری کی صورت میں جرمانے ادا کیے جاتے۔ اگر کوئی عورت اپنی مرضی سے مرد سے اختلاط کرتی تو وہ راجا کی تحویل میں چلی جاتی اور لونڈی بن جاتی اس کے لیے مرد کی طرح جسمانی یا مالی سزا نہیں ہوتی تھی۔

آریائی سماج کی قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس میں عورتوں پر ظلم کرنے کی صریح ممانعت موجود ہے۔ کوٹلیہ کا ضابطہ قانون عورت پر تشدد اور گالی دینے کی مذمت کرتا ہے۔

"خود سر عورتوں کو تمیز سکھانے کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں گے جیسے اری ننگی، اری مادر زاد، ارے دیدے پھوٹی، کمر ٹوٹی، باپ کو روئی ماں کو پیٹی، نہ انھیں بانس کی کھپچی یا رسی یا ہاتھ سے کولھوں پر تین چوٹ کی مار ماری جائے۔"(۱۲)

اور اگر کوئی اس حکم کے برخلاف کرتا تو اسے بدنام کرنے یا جسمانی آزار پہنچانے والی مقرر شدہ سزاؤں میں

سے آدھی سزا دی جاتی کیوں کہ اس سماج میں عورت کا درجہ کامل مرد کی نسبت نصف قرار پایا چکا تھا۔

آریائی سماج میں وراثت کی تقسیم مردوں کے لیے ہے۔ اس میں کسی بھی قسم کی عورت کو ماسوائے بیٹی جائیداد میں سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا ترکہ بیٹیوں کو محض اس صورت میں ملتا جب متوفی کی اولاد نرینہ سگے بھائی، ساتھ رہنے والے عزیز نہ ہوں تو بیٹیاں میراث اپنے قبضے میں لے سکتی تھیں۔ اگر مندرجہ بالا رشتوں میں سے کوئی بھی ہوتا تو جائیداد ان کے قبضے میں چلی جاتی۔ ذات برادری، گوت اور رشتے داری کا نظام اس قدر گنجلک تھا کہ بیٹیوں کو املاک اپنے قبضے میں لینے کا شاذ ہی موقع ملتا البتہ بن بیاہی بیٹوں کی شادی کے وقت جہیز بنانے اور حسب ضرورت چیزیں خریدنے کے لیے جو رقم دی جاتی وہی ترکہ شمار کیا جاتا تھا۔ اس لیے جہیز کی وصولی کے بعد بیٹیاں اپنا حصہ لینے کی مجاز نہ ہوتی۔

"لڑکیوں کا وراثت میں کوئی حق نہ ہو گا وہ اپنی ماں کے مرنے کے بعد اس کے کانسی کے برتن اور زیور لے سکیں گی۔" **(۱۳)**

زمانہ قدیم سے عورت کا ایک روپ طوائف کی صورت میں بھی ملتا ہے۔ آریائی سماج میں طوائف براہ راست راجا کی لونڈیاں شمار ہوتی تھیں راجا کے محل کی تزئین و آرائش کے لیے جوان، خوبصورت اور باہنر طوائفیں رکھی جاتیں تھیں۔ ان طوائفوں میں بھی درجہ بندی تھی جو محل میں ان کی کارکردگی کے لحاظ سے ان کی قدر و قیمت متعین کرتی تھیں۔

۱۔ جوان و حسین طوائفیں، درجہ اول پر فائز تھیں یہ راجہ کی صراحی، طلائی، مور چھل اٹھانے والی اور شاہی سواری یا تخت پر اس کی خواصی ہوتیں اور بیش قیمت زیورات سے آراستہ و پیراستہ ہوتیں۔

۲۔ وہ طوائفیں جن کا حسن ڈھل گیا ہو محل میں دایہ گیری کے فرائض سرانجام دیتیں۔

۳۔ معمر یا سن یاس کو پہنچی ہوئی طوائفیں بوڑھی خادمائیں، داسیاں، باورچن یا توشہ خانے کی نگران بنتیں۔

قحبہ خانے کا منتظم ہر طوائف کی کمائی، ورثے میں ملی ہوئی املاک، آمدن اور متوقع خرچ کا حساب کھاتہ رکھتا تھا۔ اگر راجا کے حکم عدولی کرتے ہوئے طوائف کسی شخص کو جسم سونپنے سے انکار کرتی تو ایک ہزار کوڑوں کی سزا ملتی تھی یا پھر ۵ہزار پن جرمانہ ادا کرتی اور اجرت کی وصولی کے بعد انکار کرنے پر دگنی سزا بھگتنا پڑتی۔ طوائفیں چوں کہ براہ راست راجا کی لونڈیاں شمار ہوتی تھیں، لہذا انھیں مختلف فنون کی تربیت حاصل کرنا پڑتی تھی۔ مثلاً گائیکی، رقص، ساز بجانا، بہروپ بھرنا، ہار گوندھنا، ناز و ادا سے دل جیتنا، مختلف زبانیں اور مخفی اشارے سیکھنا وغیرہ۔ راجا انھی خصوصیات کی بدولت ان سے جاسوسی و مخبری کا کام لیتا۔ مفسدوں کی چالوں کا راز فاش کرنے کے ساتھ ساتھ دھوکہ دہی یا قتل کرنے کے لیے بھی راجا کو ان کے تعاون و سہارے کی ضرورت پڑتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی طوائفیں آزاد رہنے

کی خواہش پر سخت ترین جسمانی سزائیں برداشت کرتیں یا پھر ہزاروں پن جرمانے ادا کرنے کے بعد آزادی حاصل کرتیں جو ادا کرنا کسی طوائف کے بس میں ہوتا ہی نہیں تھا۔

حمورابی کا قانون قریباً دو ہزار قبل مسیح کا ہے، جبکہ کوٹلیہ کا قانون تقریباً ہزار سال قبل مسیح کا ہے۔ دونوں کے قوانین ازدواجیات میں عورت محکومیت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی۔ شادی معاہدے کی صورت تھی۔ شادی فقط والدین کی رضامندی سے کی جاتی اور لڑکی کے بعد میں رقم وصول کی جاتی۔ والدین اپنی طرف سے لڑکی کو شادی کے موقع پر ضرورت کا سامان دیتے تھے۔ شادی شدہ لڑکی کے نان ونفقہ کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی۔ عورت کی بیماری کی صورت میں مرد دوسری شادی کر سکتا تھا مگر بیمار بیوی کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

> "وہ اپنی بیوی کو جسے بیماری لاحق ہو گئی ہے طلاق نہیں دے سکتا۔ وہ اس کے بنائے ہوئے گھر ہی میں رہے گی اور وہ اس کی زندگی بھر اس کے نان ونفقے کے لیے ذمہ دار ہے۔"(۱۴)

عورت کے بانجھ ہونے کی صورت میں مرد کو دوسری شادی کا اختیار تھا۔ عورت زر عروس یا زر تلافی وصول کرنے کا حق رکھتی تھی۔ مگر وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی تھی اسے اپنے شوہر کے گھر میں ہی زندگی بسر کرنا پڑتی تھی۔ اسی طرح عورت اگر آوارہ یا بد چلن ہے تو بھی سزا کی مستحق قرار پاتی اور مرد کو دوسری شادی کا اختیار دے دیتی تھی۔ البتہ اگر شوہر اسے رکھنا چاہتا تو معافی نامے کی گنجائش نکل سکتی تھی۔ عورت کو مرد کے بد چلن ہونے کی صورت میں قاضی یا پنچایئت تک جانے کا حق حاصل تھا۔ عورت کی پاکدامنی ثابت ہوتے ہی زوجین میں علیحدگی کر دی جاتی۔

حمورابی قانون میں عورت صاحب جائیداد ہوتی تھی اور متوفی شوہر اور باپ دونوں کی جانب سے ہبہ یا ترکہ وصول کر سکتی تھی مگر وہ اس جائیداد کو چاندی کے عوض بیچنے کی مجاز نہیں تھی۔ جب کہ شاستر کے مطابق محض بیٹی کا ترکے میں وہ حصہ بنتا جو اس کی شادی پر جہیز کی صورت میں دیا جاتا یا ماں کی وفات کے بعد برتن وزیور اس کے حصے میں آتے علاوہ ازیں وراثت کا کوئی تصور نہیں تھا۔

حمورابی عہد میں آزاد عورت کو کاروبار کرنے کی آزادی حاصل تھی۔ مختلف کاروبار، تجارت، زمین داری کر کے معاشرے میں Earning Hand کا کردار ادا کرتی تھی جب کہ موریہ عہد کی عورت گھر میں رہنے کی پابند تھی اس کا کاروبار کرنا معاشرے میں ذلت ورسوائی کا سبب تصور کیا جاتا تھا۔ حمورابی عہد میں عورت سے مخصوص پیشہ شراب کشید کرنا تھا۔ یہ پیشہ مردوں کے لیے نہیں تھا جب کہ موریائی عہد میں شراب کی تجارت تو درکنار شراب پ

جانے پر بھی عورت کو جرمانہ ادا کرنا پڑتا۔

حمورابی عہد میں داشتہ، آزاد مرد کے ساتھ اپنی مرضی سے رہ سکتی تھی یا لونڈی کی صورت میں کسی پجارن کی جانب سے مقررہ وقت کے لیے دے دی جاتی تھی۔ مرد کے چھوڑ دینے کی صورت میں وہ کھیت یا باغ کی جائیداد سے نفع حاصل کر سکتی تھی اور اولاد کی صورت میں ان کی پرورش کے لیے ایک بیٹے کے حصے کے برابر جائیداد حاصل کرتی اور اپنی پسند کے مرد سے نکاح کا اختیار رکھتی تھی۔ جب کہ موریہ عہد کی طوائف براہ راست راجا کی دست نگر ہوتی اس کی آمدن سے لگی بندھی رقم محصول کے طور پر سرکاری خزانے میں جمع کی جاتی تھی اور آزادی حاصل کرنے کی خواہش کو زبان پر آنے سے پہلے ہی جرمانوں اور کوڑوں کی سزا دے کر دبا دی جاتی تھی۔

حمورابی عہد میں سزا کا قانون زیادہ سخت تھا۔ بہت سی سزائیں ایسی ہیں جن کے جرائم میں ملوث افراد کو موت کی سزا دی جاتی یہاں اشرافیہ سے تو جرمانے وصول کیے جاتے مگر غلاموں اور لونڈیوں کو سنگین سزائیں برداشت کرنا پڑتی ۔اس عہد میں بید لگانے، نظر بند کرنے، قید کرنے یا ذات سے باہر نکالنے جیسی نرم سزا نہیں ہوتی تھیں جب کہ موریہ کے عہد تک آتے آتے سزاؤں کی شدت میں کمی آگئی اور جسمانی سزا کے بدلے میں زیادہ تر جرمانے کی ادائیگی ہو جاتی یا ذات برادری سے نکل جانے کا حکم صادر کر دیا جاتا تھا۔

مندرجہ بالا دونوں قوانین زرعی عہد کی یادگار ہیں جب پدری سماج کلی طور پر غالب آگیا تھا۔ اگرچہ یہ دونوں قوانین دو مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھتے تھے اور زمانی اعتبار سے بھی ایک ہزار سال کا فرق کم و بیش موجود ہے مگر دونوں کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ بابلی عہد میں آزاد عورت کو سماج میں آزادی حاصل تھی۔ وہ سماجی و معاشی طور پر مرد سے کم تر ہونے کے باوجود اپنی مرضی سے اشتراک لین دین یا پیشہ اختیار کر سکتی تھی۔ اگرچہ سزاؤں کا قانون سخت تھا۔ مگر پاکدامنی و باعصمتی کے جوہر ہونے کی وجہ سے سماج میں اسے عزت دی جاتی تھی۔ جب کہ موریہ کے عہد کی خاتون سماجی سطح پر سرگرمیوں میں ملوث ہوتے دکھائی نہیں دیتی۔ آزادنہ میل جول کی ممانعت تھی وہ کلی طور پر مرد کی مرضی کے تابع تھی اور اس کی حکم عدولی کی صورت میں سزا کے مستحق ہوتی سزا میں اگرچہ حمورابی عہد کی مانند شدت پسندی نہیں اور جرمانوں کی صورت میں ادائیگی ہو جاتی تھی مگر یہ بھی سچ ہے کہ عورت کی معاشی حالت صفر تھی۔

حوالہ جات

۱۔ لیلیٰ احمد، "عورت جنسی تفریق اور اسلام"، مترجمہ خلیل احمد، لاہور، مشعل، ۱۹۹۵ء، ص ۲۵۔

۲ ۔ ایضاً، ص ۲۶۔

۳ ۔ سبط حسن، "ماضی کے مزار"، مکتبہ دانیال، کراچی، ۱۹۷۹ء، ص ۳۴۴۔۳۴۳۔

۴ ۔ مالک رام، "حمورابی اور بابلی تہذیب و تمدن"، لاہور، اپنا ادارہ، ۲۰۰۰ء، ص ۲۸۔

۵ ۔ ایضاً، ص ۳۰۔

۶۔ ایضاً

۷۔ اچاریہ چانکیہ، "ارتھ شاستر"، ترجمہ شان الحق حقی، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۵۔

۸ ۔ ایضاً، ص ۱۹۵۔

۹۔ ایضاً، ص ۲۳۳۔

۱۰۔ ابوریحان البیرونی، "تاریخ ہندوستان"، میرپور آزاد کشمیر: ارشد بک سیلرز، س ن، ص ۳۰۴۔

۱۱۔ اچاریہ چانکیہ، "ارتھ شاستر"، ص ۱۹۷۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۹۶۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۰۵۔

۱۴ ۔ مالک رام، "حمورابی اور بابلی تہذیب و تمدن"، ص ۳۶۔